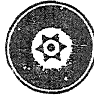
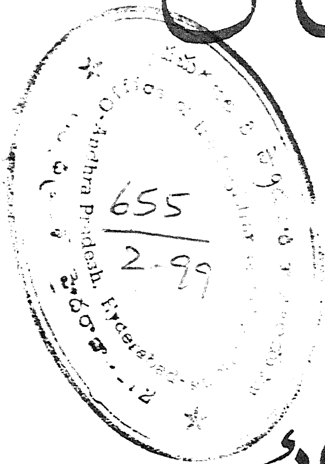
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

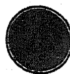


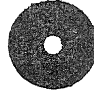
ایّہا النّاس





ڈاکٹر راہی فدائی





مصنف کا نام — راہی فدائی (ظہیر احمد)

نامِ کتاب — ایُّھا النّاس (شاعری)

تعداد و سنِ اشاعت — 786 عدد * نومبر 1998ء

قیمت — 125/= روپے

طباعت — ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز۔ چینئی 600002۔

ناشر — ابو الحسان اکاڈمی۔ کڈپہ — 516001 آندھرا پردیش

کتابت — شریف برکاتی۔ 7-11 چوتھی گلی۔ نیو بیت اللحم۔ آمبور 635802

مصنف کا پتہ — 6/184۔ برہان الدین صاحب اسٹریٹ۔ کڈپہ۔ 516001 آندھرا

زیرِ اہتمام — علیم صبا نویدی

★ یہ کتاب آندھرا پردیش اردو اکاڈمی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوی ہے۔

❀ ملنے کے پتے ❀

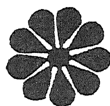
۱۔ مکتبۂ شب خون — 313۔ رانی منڈی الہ آباد۔ ۳ (یو پی)

۲۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ — دہلی، علی گڑھ۔ ممبئی

۳۔ مکتبۂ شگوفہ — معظم جاہی مارکیٹ۔ حیدرآباد (آندھرا)

۴۔ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز — 26۔ امیر النساء بیگم صاحبہ اسٹریٹ، مونٹ روڈ۔ مدراس 600002

۵۔ ادارۂ نفیر — 5/3۔ آدم صاحب اسٹریٹ ویلور 632012



انتساب

بنام

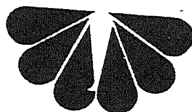
صدیق محترم رفیقِ ملّت

مولانا مولوی الحاج شاہ نور احمد بیگ منّور فدائی قادری باقوی مدظلّہ العالی

خلیفۂ

اعلیٰ حضرت قدوۃ العلماء شیخ التفسیر ابوالسعید

مولانا مولوی الحاج سید شاہ عبد الجبّار صاحب قادری باقوی دامت برکاتہم



ھدیۂ تشکر و امتنان

بخدماتِ گرامی قدر



★ استاذ محترم حضرت مولانا مولوی الحاج شاہ محمد جعفر حسین قادری باقوی فیضی صدیقی صاحب دامت برکاتہم

★ محترمی و مکرمی پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب زید مجدہٗ

★ صدیق مکرم عالی جناب علیم صبا نویدی صاحب زید کرمہ

★ اخی المحترم عالی جناب سید عبد القادر عقیل جامد صاحب زید لطفہٗ

★ محقق شہیر صدیق شفیق ڈاکٹر محمد علی اثر صاحب حفظہٗ اللہ

★ مخلص دوست عالی جناب عبد السلام صاحب سلام شہمیری طول عمرہٗ

★ عالی جناب حضرت کاتب محمد شریف صاحب برکاتی مدظلہٗ

پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب

ٹیڑھی زمینوں اور اجنبی لہجے کا شاعر: راہی فدائی

کم شاعر ایسے ہوں گے جن کا دیوان یوں ہی بے ارادہ کھولا جائے تو اس طرح کے شعر نظر پڑیں۔

سیلِ آلام و طوفان کربِ بلا — خفتہ قوموں کی خاطر جرس چاہیے
اس تماشا گہ زندگی کے لیے — خرس و خر اور فیل و فرس چاہیے

کہیں اور سے ورق پلٹیں تو یہ شعر ملتے ہیں:

متاع و مالِ ہوس حبِ آل سامنے ہے — شکار خود کو بچا، دیکھ جال سامنے ہے
مجھے ملال ہے اپنی فلک نشینی پر — یہی عروج کی حد پھر زوال سامنے ہے
وہ باکمال سیاق و سباق پہ حاوی — گزشتہ اس کی نظر میں مآل سامنے ہے

تھوڑا اور آگے بڑھیں تو دیکھتے ہیں:

- ہر اک ماحول موسم، راس آیا — زمانے کے مناسب ہو گئے ہو
- سحر حسبِ ضرورت ہو گئی ہے — کہ خود ہی صبحِ کاذب ہو گئے ہو
- ذرا تو سوچ کہ یہ بھی کوئی سزا تو نہیں — دعائے خیر سہی پھر بھی ساری رات نہ مانگ

پڑھنے والا حیرت میں ہے۔ زمینیں ٹیڑھی اور زیادہ تر نئی، زبان کے ساتھ بے تکلف لیکن قادر الکلامی کا رویہ، تجربہ سے گریز نہیں اور کلاسیکی اسلوب سے اچھی واقفیت۔ یہ صفات کس طرح ایک شخص میں یک جا ہو جائیں؟ غزل کی وہ صفات جو کتابوں میں درج ہیں اور جن میں سے زیادہ تر کو مولانا حالی کے خیالات کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے، ان غزلوں میں نہیں ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ جدیدیت نے شاعر کو تجربہ کوشی اور آزاد بیانی

کا جو حوصلہ دیا اس کے بغیر راہی فدائی کی شاعری وجود میں نہ آتی۔ لیکن ہر شاعر اپنے معاصر ادبی ماحول، روایت اور تخلیقی اپچ سے فائدہ اپنے ہی طور پر اٹھاتا ہے۔ کسی کے لیے نئے خیال کی راہیں ہموار ہوتی ہیں تو کسی کے لیے زبان ایک چیلنج بن جاتی ہے۔ راہی فدائی نے شروعِ مشق میں مضامین کی تلاش پہ زورِ طبع صرف کیا تھا۔ غزل میں جانوروں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کا ذکر اور ذکر محض بیانیہ نہیں، بلکہ مسلسل استعاراتی انداز کے ساتھ' یہ نئی غزل میں راہی فدائی اور جنوبی ہند کے ان کے بعض ساتھیوں کی دین ہے۔ نامانوس زمینوں میں بے تکلف اور کثرت سے شعر کہنے کی رسم بھی ان لوگوں کی ڈالی ہوی ہے۔

راہی فدائی چوں کہ عربی اور مذہبیات کے میدان سے ہیں، لہذا ان کے کلام میں عربی الفاظ کی فراوانی اور اخلاقی مضامین پر زور نظر آئے تو تعجب کی بات نہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مدرسے اور شریعت کے ماحول میں متانت اور تدین کی تربیت کے باعث اس ماحول کے پروردہ شاعروں کے مزاج میں فطری طور پر احتیاط' زبان کے ساتھ بھی اور مضمون کے انتخاب میں بھی جا بجا نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف راہی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ مذہب کے آداب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ لیکن ایسا لہجہ اختیار کرتے ہیں جسے عام طور پہ "ثقہ" اور متدین لوگوں سے منسوب نہیں کیا جاتا یہ الگ بات ہے کہ ان کے یہاں کبھی کبھی عہد نامۂ قدیم کے اولیاء اور پیغمبروں سا تہدیدی، موعظانہ لہجہ بھی نظر آجاتا ہے، تو کبھی وہ "طنز" میں اتنے تند ہو جاتے ہیں کہ ان کا طنز کسی برہم روح کی چیخ معلوم ہونے لگتا ہے: ؎

- اخلاق کی سند بھی چبا کر نگل گئے — جوع البقر سے آج کے بندر ہیں بوالعجب
- جن کی تہوں میں درِ عطش کی کمی نہیں! — عرفان و علم کے یہ سمندر ہیں بوالعجب

'درِ عطش' جیسی ترکیب وضع کرنے والے شاعر کو ہم جتنی داد دیں کم ہے۔ طنز بھی اپنے رنگ میں چوکھا ہے اور استعارہ بھی بالکل نیا۔ اسی غزل کا اگلا شعر ہے: ؎

- فطرت کے انقلاب سے دنیا بدل گئی — بلی کے ساتھ موش مچھندر ہیں بوالعجب

مندرجۂ ذیل شعر میں اعراب بدل کر لفظ کو ذو معنی میں استعمال کر کے تازگی پیدا کی ہے: ؎

ملیں گے معتَمَد ہزار جا بجا مگر — نفوس معتمِد کہاں سے لاؤ گے

رجز مسدس سالم اردو میں کم برتی گئی ہے، اگرچہ عربی میں عام ہے۔ راہی نے اسے اس روانی اور صفائی سے برتا ہے کہ دل سے بے اختیار داد نکلتی ہے۔

وہ تھا سیک رو اس کے سر کچھ بھی نہ تھا — اس پر کبھی اپنا ہنر حاوی نہ تھا!
تھی مصلحت روباہ میری تاک میں — خوش تھا تو میں میرا حریف کوئی نہ تھا
دو ہی قدم چل کر شرافت گر پڑی — ظلمت کدے میں خوف تھا ساتھی نہ تھا

جدید شاعر کے بارے میں یہ سوال پوچھنا بہت معنی خیز نہیں بلکہ ایک طرح کی بے عقلی ہے کہ وہ کتنا بڑا شاعر ہے؟ بڑوں کی محفل میں کہاں بٹھائے جانے کا حق دار ہے؟ اس سوال کے بے معنی ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ادب میں عظمت کی چوٹیاں اور ضلالت کی گہرائیاں دوری سے دیکھے جانے کا تقاضا کرتی ہیں۔ جب تک ہمارے اور شاعر کے درمیان وقت کا فاصلہ نہ قائم ہو، ہمیں اس کے بارے میں صحیح معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے معاصروں اور پیش روؤں میں کہاں نظر آتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جب تک ہم اس کے بعد آنے والوں کو بھی نظر میں نہ رکھ سکیں، اس کی عظمت کے بارے میں ہمارا فیصلہ ادھورا رہے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شاعر معاصر ادب کی تاخت گاہ میں خوب خوب یکہ تازیاں کرتا ہے، میدان کا سرا پا دکھاتا ہے، طرح طرح کی چمک دمک کا مظاہرہ کرتا ہے، لیکن اس کے بعد آنے والا کوئی زیادہ طاقتور نابغہ اپنے اسی پیش رو کی ترکیبوں اور جدتوں اور ہنرمندیوں کو کچھ ایسی تخلیقی قوت، اور کچھ ایسے اضافاتِ جدیدہ کے ساتھ استعمال کرتا ہے کہ اس کے پیش رو کی حیثیت رہنما اور نمونہ کی بجائے دیباچے کی سی ہو جاتی ہے۔ اگر معاملہ اتنا انتہائی درجہ کا نہ بھی ہو تو بھی بہت کچھ فرق تو پڑ ہی جاتا ہے۔ ناسخ نے غالب کو متاثر کیا، لیکن غالب ان سے آگے بڑھ گئے، اس قدر آگے کہ بہت سے لوگ ناسخ کو شاعر ہی نہیں مانتے اور غالب کو اکثر لوگ اردو کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔

لہٰذا نئے شاعر کا مسئلہ یہ نہیں کہ اس کے ہر شعر کو رشکِ عرفی و فخرِ طالب بتایا جائے اس کی ہر نظم کو اقبال کے لیے مایۂ آخرت قرار دیا جائے۔

نئے شاعر کے بارے میں یہ سوال زیادہ معنی خیز ہے کہ اس کا کلام پڑھ کر کسی

کسی تخلیقی ابتہاج، کسی تازہ ہیجان، کسی باہمت لفظ شناس سے ملاقات ہونے کا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ نہیں، راہی فدائی کے کلام میں معاصر دنیا کا احساس اور خارجی حقیقت سے متحارب ہونے کا تاثر بھی ہمیشہ سے نمایاں رہا ہے۔ جیسا کہ میں نے بہت پہلے لکھا تھا، وہ خارجی ماحول کی نکتہ چیں اور ایک باخبر مبصر کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ چیز ان کے کلام کو ظاہر بینوں کے اس الزام سے محفوظ رکھتی رہی ہے کہ وہ کچھ غیر ذمہ دار اور غیر سنجیدہ، کھلنڈرے، ناتجربہ کار شخص ہیں، لیکن مجھے (اور میں راہی فدائی کے کلام کے اولین قاریوں میں سے ہوں) جو چیز شروع ہی سے متوجہ کرتی رہی ہے، وہ ان کے یہاں ایک طرح کی آزادیٔ اظہار ہے، جو "روایتی"، "شائستہ"، "کڑھی ہوئی" شخصیت، جیسے بے معنی الفاظ کی نفی کرتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ شخصیت "چلبلاپن" اور "کھردراپن" دونوں ہی امکانات غزل کی دنیا سے باہر نہیں ہے۔ راہی فدائی کی غزل میں عشقیہ مضامین بہت کم ہیں۔ ممکن ہے یہ ان کی "صوفیانہ" اور "ملّایانہ" طبیعت کے عمل دخل کا نتیجہ ہو یا ممکن ہے وہ غزل کو "بنتِ عم" راتوں کو چھپ چھپ کر رونے اور محبوب کو خط لکھنے والی، سہیلیوں کے درمیان شرما شرما کر دل کا دکھڑا بیان کرنے والی ان لڑکیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، جن کا کچا پکا حال اشعار میں بیان کرکے پروین شاکر مرحومہ نے بڑی شہرت کمائی۔ لیکن سچ پوچھیے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے کہ غزل کا شاعر خود کو غزل ہی کے مقبول ترین مضامین سے دور رکھے۔ راہی فدائی کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ بسا اوقات ان کے شعر کا مخاطب غیر واضح رہتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ یہ صاف نہیں ہوتا کہ شعر کس کے بارے میں ہے؟ مندرجۂ ذیل اشعار میں ایک بے نام سی محزونی ہے، جسے عشقیہ محزونی سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جو کبھی کبھی اس محزونی سے آگے بھی جاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے: ؎

- ہزار طرح سوالوں میں اس کو اُلجھاؤ — مگر جواب وہ بے قیل و قال دیتا ہے
- کبھی بطورِ سزا کاٹتا ہے دستِ طلب — کبھی کبھی وہ مگر بے سوال دیتا ہے
- تیرے دامنِ دل پر صد ہزار انجم ہیں — شام کہکشانی کو شمع داں کی حاجت کیا
- سبزہ زاروں کی شرافت سے نہ کھیلو قطعاً — تم ہوا ہو تو خلاؤں سے لپٹ کر دیکھو

اسے احتیاجِ قمر نہیں ! دل منتظر ہے چراغ کا

ویسے اس شعر کے یہ تیور بھی قابلِ داد ہیں کہ بحرِ کامل سالم کو مربع استعمال کیا ہے اور اس میں بھی ایک رکن میں تسکین اوسط لگا کر متفاعلن کو مستفعلن بنا دیا ہے۔ بحرِ کامل میں ایسا اوروں نے بھی کیا ہے، لیکن بہت کم۔ فارسی والے تو بحرِ کامل کو شاذ ہی برتتے تھے اور اسے مخصوص بہ تازی قرار دیتے تھے، لیکن ہمارے یہاں بیدل نے فارسی میں اور اردو میں اقبال نے اس بحر میں رواں دواں اشعار کے دریا بہا دیے۔ راہی کے لہجے کا ایک اور رنگ دیکھیے : ؎

- آنکھ سے درد ٹپک جائے لہو بن کے کبھی — موجۂ طبع میں طغیان اشد بھی رکھنا
- تجھ میں ہے بحرِ بیکراں کا وجود — تجھ سے کس نے کہا حباب خرید
- روح روشن نہ ہوئی اور نہ دل ہی بہلا — وقت برباد کیا جسم کی آرائش میں

راہی فدائی کے اولین پسند کرنے والوں میں باقر کا نام بھی ہے اور بہت نمایاں ہے۔ راہی اور ان کے دو ساتھیوں، (عقیل جامد اور ساغر) نے جب اپنے کلام کا ایک مختصر انتخاب ایک ہی مجلد میں ”انتسللہ“ کے نام سے شائع کیا۔ (اس بات کو آج بیس برس ہوتے ہیں)، تو باقر مرحوم کا ذکر اپنے قدردانوں میں خاص طور پر کیا اور کیوں نہ ہو، باقر کی بلند کوش، تجربہ پسند اور تازہ جو شخصیت ہی ایسے کلام کے ساتھ انصاف کر سکتی تھی۔ راہی کی شاعری ” اساتذہ“ اور ” شعریت پسند“ لوگوں کے بس کی کبھی نہیں رہی اور یہ اچھی بات ہے، کیونکہ ان حلقوں میں پذیرائی کا مطلب یہ ہے کہ یہ شاعری اب ”محفوظ“ اور ”باعزت“ درجہ اختیار کر چکی ہے۔ مندرجۂ ذیل طرح کے اشعار پڑھ کر شاعر اور اس سے بھی بڑھ کر غزل کی صنف کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ قافیہ کی تلاش شاعر کو کس طرح کے کوچوں سے واقف کراتی ہیں : ؎

- تمہیں خرد پہ ناز ہے بجا مگر — شجیج کا کید کہاں سے لاؤ گے
- باندھ لے اپنی گرہ میں یہ نصیحت راہی — ضبط سے کام لے ناخن نہ بڑھا خارش میں
- مرحوم خواہش کے مکلّف ڈھونڈیے — زاغ و زغن مور و مگس ہل من مزید
- پوری طرح غرقِ حسد ہو جائیے — کب تک چلے گا مسح و مس ہل من مزید

راہی فدائی کا طنز یہ رنگ اپنے انداز کا انوکھا ہے کہ اس میں بہت سارا علم، بہت ساری طباعی میں حل ہو گیا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے عام طور پر طنز نگار کا رجحان سا بن گیا تھا کہ اپنے علم کو چھپائے، بلکہ اگر واقعی کم علم ہو تو اور بھی اچھا ہے۔ طنز اور ہجو کی عزت اور قیمت سودا نے قائم کی تھی۔ سیاسی اور سماجی طنز کی قدر اور بلندیٔ معیار کی ضمانت کے لیے اکبر الہ آبادی کا نام ہمیشہ کافی رہے گا۔ لیکن اکبر کے بعد خدا معلوم کس وجہ سے طنزیہ شاعر کے لیے ضروری ٹھہرا کہ وہ خود کو سادہ لوح ثابت کرے۔ (نثر میں البتہ رشید احمد صدیقی اور اب مشتاق احمد یوسفی نے اس مہمل خیال کی مکمل تردید اپنے عمل کے ذریعہ کی ہے۔) عام طنزیہ شاعری کے خلاف راہی فدائی کے انداز میں ایک رکھ رکھاؤ ہے، جو درحقیقت علم کی فخامت سے پیدا ہوا ہے۔ یہ خالی خولی عربیت نہیں ہے اس میں ایک بے تکلفی، ایک طنطنہ ہے:

- تقویٔ جہل کو کچھ ہوس چاہیے — باغِ جنت میں بھی خار و خس چاہیے
- جلسۂ اعترافِ ادب پروری — ایک دو سال کیا ہر برس چاہیے
- اسی کا نام ہے آج اسپِ تازی — بشکلِ خر جو کل لاغر ملا تھا
- شروح و حواشی سے پُر، متنِ دل ہے — بظاہر ہیں سادہ ورق کے منادی

راہی فدائی کا نام اکثر عقیل جامد اور ساغر کے ساتھ سنائی دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، ان تین ہم خیال اور ایک حد تک ہم رنگ دوستوں نے ایک مشترک مجموعہ "انتسللہ" کے دل چسپ نام سے چھپوایا بھی تھا۔ ان میں پہلا شخص جن کے کلام سے میں متعارف ہوا، عقیل جامد تھے۔ ان کے چند ہی دنوں بعد میں راہی اور ساغر (جن کے نام نے موجودہ مختصر صورت اختیار کرنے سے پہلے ساغر کڈپوی، پھر ساغر جیدی کا روپ بھرا) کے نام و کلام سے بھی آشنا ہوا۔ اس کو اب پچیس برس سے زیادہ ہونے کو آئے۔ اس مدت میں کچھ لوگ نئی راہیں اختیار کر لیتے ہیں، زیادہ تر لوگ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ انھیں راہوں پر مستقل مزاجی سے گام زن رہتے ہیں جو شروع میں اپنے لیے اختیار کر لیتے ہیں۔ راہی کو میں اسی زمرے میں رکھتا ہوں عقیل جامد اب شعر گوئی تقریباً ختم کر چکے ہیں۔ ساغر کی اکا دکا نظم کہیں نظر آجاتی ہے۔ لیکن

راہی فدائی کے یہاں آمد کا وہی عالم ہے جو آغازِ جوانی میں تھا۔ اتنی دیر تک وہی دم خم باقی رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ خاص کر جب ہمارے زمانہ میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ ہمارے ادیبوں (خاص کر شعراء) میں استقلال و مقاومت نہیں ——— ان کی صلاحیت بہت جلد کم ہونے لگتی ہے۔ یا پھر وہ اپنی باتیں دہرانے لگتے ہیں۔

راہی فدائی نے جدید غزل کے ایک خاص رنگ کو اپنایا اور جس طرح وہ اس رنگ کو بے تکان برتتے چلے گئے ہیں اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں اب انھیں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے۔ جو رنگ انھوں نے اپنایا وہ ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں اور اس میں اخلاقی مضامین کی توفیر نے غزل گوئی کی منزلیں اور مشکل کر دیں۔ ایسا نہیں کہ غزل کو اخلاقی مضامین سے کوئی بیر نہیں۔ لیکن غزل چوں کہ بیش از بیش بالواسطہ اور ذرا پیچیدہ انداز کی شاعری ہے اس لیے غیر عشقیہ مضامین کو اس میں برت لینا ہر شاعر کے بس کا نہیں۔ غزل آخر غزل ہے پھیکا پھاکا ملاّپن نہیں۔ راہی کے طنز کے علاوہ اُن کی بے تکلفی اور حسِ مزاح نے بھی انھیں غزل اور اخلاقیات کی منزلوں سے کامیاب گزرنے میں مدد دی ہے: ؎

- راہی دُنیا اس کی پجارن
  وہ کہتا ہے تُف تُکو جا
- قدیم روشنیوں سے انھیں شکایت ہے
  تو شہ پروں کو نیا آفتاب دے جاؤ
- خیر ہم معترض نہیں ہوں گے
  ہے عدو کے لیے اگر تنبیہ!
- شیر جیسا دکھائی دیتا ہے
  دور سے ایستادہ خر شب میں

زیرِ نظر مجموعہ کو پڑھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ راہی فدائی نے جدید غزل میں اپنی جگہ نمایاں کر لی ہے شاعر کو اور کیا چاہیے۔ نعمت خان عالی کیا خوب کہہ گیا ہے: ؎

ارباب سخن راز سخن نام بلند است   از مصرع برجستہ خلف تر پسر نیست

نعتیں



بفضلِ حق منوّر ولولہ ہوں یا رسولؐ اللہ
میں غم میں آپؐ کے پل پل جلا ہوں یا رسولؐ اللہ

پئے سچ، میں نے پکارا آپؐ ہی کو ہر مصیبت میں
خدا جانے بُرا ہوں، یا بھلا ہوں یا رسولؐ اللہ

یہاں ہوتی ہے ہر دم حق و باطل کی صف آرائی
میں اپنی ذات میں اک کربلا ہوں یا رسولؐ اللہ

عطا فرمائیے نشو و نما کی برکتیں ساری
شجر تو ہوں بظاہر، کھوکلا ہوں یا رسولؐ اللہ

اُٹھے گی ظلم کی آندھی تو خود ہی بیٹھ جائے گی
فلک کی طرح عالی حوصلہ ہوں یا رسولؐ اللہ

مِرے انفاس میں بھر دیجئے مہر و مہ و انجم
زمانے سے خلا اندر خلا ہوں یا رسولؐ اللہ

حقیقت میں ہوں راہی آپؐ کی راہِ شریعت کا
مگر ہے کفر بد ظن زلزلہ ہوں یا رسولؐ اللہ



ثنا خوانیٔ مصطفےٰؐ کو بہ کو ہے
ہر اک سمت رحمت کی نشو و نمو ہے

سکوتِ آپؐ کا بحرِ زخّارِ معنیٰ
اشارہ بھی حکمت کی اک آبجو ہے

فصاحت، بلاغت سبھی اس پہ قرباں
بس اک گفتگو آپؐ کی گفتگو ہے

لعابِ دہن کیا، شراب مطہّر
نگاہِ کرم، رشکِ جام و سبو ہے

منوّر فضائیں، معطّر ہوائیں
مدینہ کا یہ عالمِ رنگ و بو ہے

بشر کیا، مَلک دم بخود ہیں ادب سے
کہ جلوہ گہِ مصطفےٰؐ روبرو ہے

خدا کی قسم! آج دانشوری کو
حضورؐ! آپ کے نقش کی جستجو ہے

بفضلِ خدا ماضی و حال و فردا
شہا، علمِ کُل آپؐ کی خاص خُو ہے

بلالحن و آواز ہے نعت خوانی
یہ مدّاحِ احمدؐ عجب خوش گلو ہے

زمانہ غلام آپؐ کا میرے آقا!
زمیں آپؐ کی وجہ سے سرخرو ہے

قلم سجدہ ریز درِ شاہِؐ یثرب
ہر اک حرف راہی ترا باوضو ہے



کیسے رنج و الم ، خاتم المرسلینؐ
آپؐ کے جب ہیں ہم خاتم المرسلینؐ

فکر و فن کچھ نہیں ، آپؐ چاہیں اگر
نعت ہوگی رقم ، خاتم المرسلینؐ

جس میں تاثیر ہو ، جس میں تنویر ہو
بخشئے وہ قلم ، خاتم المرسلینؐ

ہیچ خلدِ بریں عیش و عشرت نہیں !
دیجئے اپنا غم ، خاتم المرسلینؐ

میرے دل کی زمیں، آپؐ کا نقشِ پا
عرش سے محترم، خاتم المرسلینؐ

سبزہ زارِ کرم؛ برگ و بارِ نعم!
رحمتوں کے ارم، خاتم المرسلینؐ

اک ذرا اذن دیں، بے خطر سر کے بل
در پہ آئیں گے ہم، خاتم المرسلینؐ

اپنے راؔھی پہ ہو، لطف کی اک نظر
یا شفیع الامم، خاتم المرسلینؐ

غزلیں



کیسے باطن کا ہو سفر شب میں
راستہ روکتا ہے ڈر شب میں

ٹوٹ کر چاہتا تھا دن میں اسے
اجنبی بن گیا ہے گھر شب میں

اپنی مصروف زندگانی پر
کیجئے فکر لمحہ بھر شب میں

نیند خوابوں کی انگلیاں تھامے
پھرتی رہتی ہے دربدر شب میں

جگنوؤں سے ہزار ہا بہتر
ایک ہی کیوں نہ ہو شرر شب میں

جسم کے داغ ہی بتائیں گے
وہ درندہ تھا یا بشر شب میں

اپنی قیمت بتا نہیں سکتے!
سنگ ریزے ہوں یا گہر شب میں

مخلصانہ دُعا خدا کے حضور
بالیقیں ہوگی با اثر شب میں

رات کی بات جب ہو دِن میں غلط
مسترد صبح معتبر شب میں

شیر جیسا دکھائی دیتا ہے
دُور سے ایستادہ خر شب میں

آفتابی سفر تھکن سے چُور
ڈھونڈیئے کوئی مستقر شب میں

گرم ماحول کا فساد ہے کیا؟
ماہ و انجم ہیں تر بتر شب میں

خوف کیسا ہے شہر میں راھی
کون سوتا ہے بے خطر شب میں



پاس اپنے بشریّت کی سند بھی رکھنا
گوشۂ قلب میں تھوڑا سا حسد بھی رکھنا

حکمرانی کا تقاضا ہے جسد بھی رکھنا
علم و حکمت سے نکلتا ہوا قد بھی رکھنا

صدق دبتا نہیں باطل کی حراسانی سے
حاکمِ شہر! پسِ پشت اسد بھی رکھنا

دعوئے جہل کو حجّت کی ضرورت ہے مزید
طرزِ گفتار کو ناقابلِ ردّ بھی رکھنا

ماند پڑ جائے نہ احساسِ تعلّی کی چمک
اپنے ہمراہ نسب نامۂ جد بھی رکھنا

آنکھ سے درد ٹپک جائے لہو بن کے نہ کیوں
موجۂ طبع میں طغیان اشد بھی رکھنا

ظلمتِ شوقِ طلب شمعِ خودی کی محتاج
سخت دشوار ہے امّیدِ مدد بھی رکھنا

صبر کے پھول اگانا ہے تپیدہ بن میں
برف زاروں میں سلگتی ہوی کد بھی رکھنا

شہرِ امکاں کی حدوں میں ہے تغیّر لازم
ذہن میں عرض بلد، طولِ بلد بھی رکھنا



دامِ ہوس میں قید قلندر ہیں بوالعجب
دِن کے فقیر شب کے سکندر ہیں بوالعجب

صد ہا جہازِ نفس کناروں پہ جا لگے !
طوفاں کی زد میں قلب کے بندر ہیں بوالعجب

اخلاق کی سند بھی چبا کر نگل گئے !
جوعُ البقر ہے آج کے بندر ہیں بوالعجب

جن کی تہوں میں دُرِّ عطش کی کمی نہیں
عرفان و علم کے وہ سمندر ہیں بوالعجب

فطرت کے انقلاب سے دُنیا بدل گئی !
بلّی کے ساتھ موش مچھندر ہیں، بوالعجب

زیر و زبر ہوے ہیں مقاماتِ آگہی !
پیڑوں کی ڈالیوں پہ چقندر ہیں، بوالعجب

دریائے آتشیں میں سمک خوش خرام ہیں
برفاب میں حیات سمندر ہیں بوالعجب

تن پہ تلاش ان کی یقیناً فضول ہے
سُرخ و سپید ذات کے اندر ہیں بوالعجب

راہی ہمارے سجدوں میں کوئی نہیں شریک
کیوں؟ مسجدوں کے قلب میں مندر ہیں بوالعجب



باعثِ ننگ و نام کام نہ کر
کعبۂ دِل کا انہدام نہ کر

فطرتِ صلح جو، گہر ہے اسے
نذرِ تیزابِ انتقام نہ کر

شر، بہر حال شر ہے اسے
خیر کا رنگ دے کے عام نہ کر

یادگارِ سلف ہے اس کو بچا
تیغِ اخلاق بے نیام نہ کر

آتش افروز ہو نہ جائے وجود
مشتعل ہو کے کوئی کام نہ کر

ظرف کے راز داں ہیں حرف و نوا
برتر از حیثیت کلام نہ کر

ریت کا گھر ہے شہرتِ دُنیا
بے سبب دیر تک قیام نہ کر

عکس و خواب و سراب سے نفرت
خود پہ نعمت کو یوں حرام نہ کر

خصم پر بزدلی عیاں ہو گی
غیر سنجیدہ اژدہام نہ کر

دِل دریچے کھلیں گے لوح طرف
درمیانِ حواس شام نہ کر

راکھیؔ بے نوا سے کیا ہے غرض
بات اس سے نہ کر سلام نہ کر



خود کو ممتاز بنانے کی دلی خواہش میں
دشمنِ جاں سے ملی میری انا سازش میں

روح روشن نہ ہوی اور نہ دِل ہی بہلا
وقت برباد کیا جسم کی آرائش میں!

آج معکوس ہے آئینۂ ایامِ جہاں
نیم میں رنگِ حنا، زورِ تپش بارش میں

خود کو منّت کشِ قسمت نہ کرو دیدہ ورو
گلشنِ شوق اگانا ہے تمہیں آتش میں

دست بستہ ہے سحر، شب کی اجازت کیلیے
اب کے خوددار طبیعت نہ رہی تابش میں

پستیٔ فکر و نظر، وحشتِ اسرار و رموز
ہو رہا ہے بخدا، جہل فزوں دانش میں

قبضۂ وقت میں جگنو ہے، ستارہ کہ شرار
ہم فقیروں کا بھلا ہوگا نہ آلائش میں

باندھ لے اپنی گرہ میں یہ نصیحت راہی
ضبط سے کام لے، ناخن نہ بڑھا خارش میں



صحیفہ ہائے ضد کہاں سے لاؤ گے
دلیلِ مجتہد کہاں سے لاؤ گے

فضائے رنگ و نور دل رُبا تو ہے
قوائے مستعد کہاں سے لاؤ گے

خدائے لاشریک بے مثیل ہے
خودی کا مثل و نِد کہاں سے لاؤ گے

تمہیں خرد پہ ناز ہے، بجا مگر
شجیع کا کید کہاں سے لاؤ گے

ہے آرزو فلک کے معرکے ہوں سر
بساطِ جہد و جِد کہاں سے لاؤ گے

خوشی خوشی جو اس جگہ سے چل دیا
میاں! اسے بضد کہاں سے لاؤ گے

سپاہ و ملک و تخت و تاج مل گئے
نظامِ متّحدہ کہاں سے لاؤ گے

کرامتوں کو دیکھنے کا شوق ہے
نگاہِ معتقد کہاں سے لاؤ گے

ملیں گے مُعتمَد ہزار جابجا
نفوسِ مُعتمِد کہاں سے لاؤ گے

رواں طبیعتوں کی بزم گرم ہیں
مزاجِ مُنجمد کہاں سے لاؤ گے

عروجِ فن کے باوجود راھیا
شعورِ منتقِد کہاں سے لاؤ گے



کوئی نشّہ نہ کوئی خواب خرید
تیرہ بختی ہے، ماہتاب خرید

ہے مزّین دکانِ لاادری!
سو سوالوں کا اک جواب خرید

کیسۂ طمع میں چھپا دینار
پھر بلا خوف احتساب خرید

بڑی مبسوط ہے کتابِ خلق
کوئی اچھا سا انتخاب خرید

تجھ میں ہے بحرِ بیکراں کا وجود
تجھ سے کس نے کہا حباب خرید

طوطا چشمی کے عیب سے ہے پاک
شکل بد ہی سہی غراب خرید

تب کہیں جا کے ہو گا تو غالب
"اسداللہ" کا خطاب خرید

مدح خواں ہو گا ہر ورق راؔھی
صرف اک لفظ انتساب خرید



بطنِ گیتی ہیں آسمان نہیں؟
قابلِ اعتنا بیان نہیں!

بے سبب جسم شعلہ پوش ہوے
آتشیں پا کا کچھ نشان نہیں

"وحدہٗ لاشریک" وردِ زباں
دل کی تائید میں زبان نہیں

بے خطر آرہے ہیں کیوں وسواس
درِ عاصی پہ پاسبان نہیں

شمع احساس کا مقام ہے اور
قلب آسودہ شمع دان نہیں!

در و دیوار سُن کے ہنس دیں گے
کیوں یہ کہتے ہو، گھر کے کان نہیں

رسمِ اُلفت ہے سر ہوں نیزوں پر
سرفرازوں کا امتحان نہیں

بالمقابل ہیں منبر و محراب
خانۂ رَبّ میں بھی امان نہیں

جان لیوا مسافتوں کی پیاس
طائرِ عزم سخت جان نہیں

فکرِ تاباں کی پیش کش را آھی
مار و کژدم کا ارمغان نہیں



وہ تھا سبک رَو ، اس کے سر کچھ بھی نہ تھا
اس پر کبھی اپنا ہنر حاوی نہ تھا

تھے مصلحت روباہ میری تاک میں
خوش تھا تو میں، میرا ردف کوئی نہ تھا

تھی عمر بھر روشن سہاروں کی تلاش
معصوم رشتہ خون کا کافی نہ تھا

دو ہی قدم چل کر شرافت گر پڑی
ظلمت کدہ میں خوف تھا ساتھی نہ تھا

باہر لکھا تھا خون سے "خوش آمدید"
اندر کوئی اخلاص کا داعی نہ تھا

اس کی زباں قابو میں تھی وقتِ نزاع
لیکن قلم جذبات سے عاری نہ تھا

شاداب جذبے دھوپ میں کمہلا گئے
آب و ہوا کا فیصلہ حتمی نہ تھا

راہی تنفّر نے کیا جس کا شکار
تھا استعارہ خوف کا، وحشی نہ تھا



شہر یارِ شر کی یہ تاکید ہے
کُن مرا نا قابلِ تردید ہے

راہ کاٹی آپ کی اس نے تو کیا!
آپ ہی کی محترم تقلید ہے

ذہن میں مار و کژدم خوف کے
دِل میں روشن کرنِ اُمّید ہے

جس لہو میں شر کا جرثومہ نہیں
وہ فرشتہ زندۂ جاوید ہے

اک مفصّل داستاں ہے کائنات
دِل کی دُنیا مختصر تمہید ہے

معجزاتی شعر راہیؔ نے کہے
بالیقیں اللہ کی تائید ہے



سرِ راہ مجھ سے اک فاجر ملا تھا
ادب کا حصّۂ وافر[1] ملا تھا

تمہیں جو پوجتا تھا بت بنا کر
درِ کعبہ پہ وہ کافر ملا تھا

وہی شب میں تھا لرزاں اور گریاں
جو دِن میں صورتِ جابر ملا تھا

اسی کا نام ہے آج اسپِ تازی
بہ شکلِ خر جو کل لاغر ملا تھا

---

[1] سوالِ کسے : ادب بہ کئے آموختی ؟
جوابِ لقمان : از بے ادباں

فراست کا سبق دینے لگا ہے
وہ کل تک فہم سے قاصر ملا تھا

گئے تھے آگ لانے مل گیا رب
کسی کو موقعۂ نادر ملا تھا

اَنا تھی محوِ سیرِ آسمانی
زمیں کے شوق میں طائر ملا تھا

ہوئی پھر آپ کی حالت بُری کیوں
معالج حاذق و ماہر ملا تھا

رُخِ زیبا پہ موتی ہیں حیا کے
بصد شوق آپ سے ناصر ملا تھا

برہنہ، دست بستہ، پا بہ جولاں
عجب عالم میں اک شاطر ملا تھا

کرشموں نے کیا صیدِ عقیدت
ولی کے بھیس میں ساحر ملا تھا

کسی سے ورنہ وہ ملتا کہاں ہے
بہ مشکل آپ کی خاطر ملا تھا

وہی تو مطمحِ قلب و نظر ہے
اسی کی ذات سے قادر ملا تھا

اُسے پہچاننا مشکل نہیں تھا
کہ راؔہی صورتِ شاعر ملا تھا



تقوئے جہل کو کچھ ہوس چاہیے
باغِ جنّت میں بھی خار و خس چاہیے

جلسۂ اعترافِ ادب پروری
ایک دو سال کیا، ہر برس چاہیے

سیلِ آلام و طوفانِ کرب و بلا
خفتہ قوموں کی خاطر جرس چاہیے

آدمی کے لیے علم کافی نہیں!
آدمیت پہ بھی دسترس چاہیے

اک مگس ہی پہ موقوف ہے شہد کیا؟
سینۂ گُل میں پاکیزہ رس چاہیے

آتشِ ابتلا سے پگھل جائیں گے
مومیائیٔ عزائم کو حبس چاہیے

دم بدم نعمتِ زیست حاصل ہمیں
پھر تو شکرِ خدا ہر نفس چاہیے

صیدِ احساسِ مظلومیت زندہ باد
آشیانہ برنگِ قفس چاہیے!

اس تماشہ گہِ زندگی کے لیے
خرس و خر اور فیل و فرس چاہیے

رگ حمیّت کی پھڑکی نہیں راہیا
جسم میں تھوڑی غیرت کی نس چاہیے



سیہ رات میں گم شفق کے منادی
حریفِ فلک کیوں ہیں حق کے منادی

بوقتِ ضرورت، ہوئے خاموشی سے
شکم سیر، قدرِ رمق کے منادی

شروح و حواشی سے پُر متنِ دل ہے
بظاہر ہیں سادہ ورق کے منادی

ہیں خلوت کدے منتشران کے ہر دم
محافل میں نظم و نسق کے منادی

فراموش آموختہ کر چکے ہیں!
ہر اک وقت تازہ سبق کے منادی

نجاتِ آشنا منزلوں سے ہیں غافل
مسالک ہیں راہِ ادق کے منادی

جبیں پر مہ و مہر چسپاں کیے ہیں
جو تھے قطرہ ہائے عرق کے منادی

انھیں بہجتِ زیست سے عداوت
مزاجاً جو ہیں لق و دق کے منادی

وہ اب راہبا جھولیاں بھر چکے ہیں
جو کل تک تھے خالی طبق کے منادی



میرے بچپن اب تو سوجا
باتیں بس، سپنوں میں کھوجا

اپنے سب گھر چھوڑ چکے ہیں
اب تُو بھی جاتا ہے توجا

دیکھیں گے ہم تیرا کرشمہ
پانی میں انگارے بوجا

ساری خدائی تیرے بس میں
پہلے تُو خود اپنا ہوجا

دس گننے سے پہلے آنا !
کہتا ہوں میں اب اک دو، جا

محنت ہی سے پھل ملتا ہے
کل ہے اُسی کا جس نے کھوجا

راکھی دُنیا اس کی پجارن
وہ کہتا ہے تُف ! نکّوجا[1]

---

[1] دکنی لفظ بمعنی نہیں



(صدیقی ظفر شیخ کے لیے)

سامنے تیرے دلِ سادہ ورق ہے یا شیخ
روبرو میرے مگر چہرہ فق ہے یا شیخ

صحنِ تقویٰ میں گلے ملتے ہیں حلّ و حرمت
اکلِ کُل تیرے لیے قدرِ رمق ہے یا شیخ

کر دیا سہل زمانے نے شرافت کا نصاب
پھر بھی کیوں درسِ وفا سب سے ادق ہے یا شیخ

خوفِ باراں سے کسی طرح کا رشتہ ہی نہیں
گرگ زادوں کو بہت اس کا قلق ہے یا شیخ

٩٦

اپنے ہونے کا پتہ دیتے ہیں اکثر حشرات
از زمیں تا بہ فلک نعرۂ حق ہے یا شیخ

ارمغاں ہے یہ، شرف بخش قبولیت کا
دستِ پندار میں حکمت کا طبق ہے یا شیخ

ہر بُنِ مو سے نکلتے ہیں کرشمے صد ہا!
خون کے ساتھ عقیدت کا عرق ہے یا شیخ

قتلِ خورشید کے آثار نمایاں ہر سمت
بحر و بر میں وہ کھرا رنگ شفق ہے یا شیخ

پھر تو راہی کو کسی سحر کا خدشہ کیوں ہو
قلب میں سورۂ والنّاس و فلق ہے یا شیخ



برگشتہ گانِ شاہ میں شامل نہ ہو سکے
ہم اس خطابِ خاص کے قابل نہ ہو سکے

الزامِ خود نگر ہے گوارہ ہمیں، مگر
اپنے وجود سے کبھی غافل نہ ہو سکے

ہم ہر طرح سے سہوِ بزرگاں کو سہہ گئے
بھولے سے بھی بڑوں کے مقابل نہ ہو سکے

عمرِ رواں کو لہو میں ہم نے گنوا دیا
وقتِ اخیر نذرِ مشاغل نہ ہو سکے

علامۂ زمانہ گنوار آج بن گئے!
لکھ پڑھ کے ہم بھی آپ سے فاضل نہ ہو سکے

غرہ تھا ہم کو اپنے دلائل پہ وقتِ جرح
افسوس نرم گوشۂ عادل نہ ہو سکے

احباب کے لیے ستم ایجاد تھے مگر!
دشمن کے حق میں "وجعِ مفاصل" نہ ہو سکے

دیوار اٹھائی ہم نے کہاں خیر و شر کے بیچ
شکرِ خدا کہ نقطۂ فاصل نہ ہو سکے

تہذیب یافتہ تنِ عریاں کے باوجود
انسانیت میں فخرِ قبائل نہ ہو سکے

ہم نے تو دل نکال کے قدموں میں رکھ دیا
حیرت ہے تم خلوص کے قائل نہ ہو سکے

دُنیا ہماری سمت بہت تیز بڑھ گئی
ہم میں کشش نہیں تھی کہ واصل نہ ہو سکے

باقی صداقتیں تو فقط عذرِ لنگ ہیں
تم خود حریفِ پنجۂ قاتل نہ ہو سکے

راہی رہینِ منّتِ منزل نہیں رہا
ابنائے راہ بھی تو منازل نہ ہو سکے



ذرا تو سوچ کہ یہ بھی کوئی سزا تو نہیں
دعائے خیر سہی پھر بھی ساری رات نہ مانگ





وقت کے انتظار میں وہ ہے
جستجوئے تسکار میں وہ ہے

سینۂ رازدار ہی میں نہیں!
دیدۂ آشکار میں وہ ہے

آئینہ صاف ہو تو دیکھ اُسے
نقشۂ دل فگار میں وہ ہے

اس کے قبضے میں کائنات سہی
فقر کی قطار میں وہ ہے

سر پہ دستارِ فضل ہے لیکن
جبّۂ تار تار میں وہ ہے

بے کراں ذہن و دل کی ہے وسعت
جسم و جاں کے حصار میں وہ ہے

اس کی چاروں طرف کتابیں ہیں
حلقۂ غمگسار میں وہ ہے

پیشِ ظالم صدائے حق، یعنی
نرغۂ صد ہزار میں وہ ہے

قلعۂ بے بصر میں تم محفوظ!
خود کلامی کے غار میں وہ ہے

خاک تم پا سکو گے خاک اُسے
آب و باد و شرار میں وہ ہے

لمحہ ہائے سکوں میں اس کی تلاش؟
ساعتِ اضطرار میں وہ ہے

پیروی اس کی ہے عبث راہی
خود ہی راہِ فرار میں وہ ہے



دیکھ کر آگ، کس گماں میں ہیں چیل
تن ہوے کوئلے، زیاں میں ہیں چیل

آدمی سے مقابلہ ٹھہرا
آج کل سخت امتحاں میں ہیں چیل

آتشیں لہرے فضاؤں میں
مجتمع سارے، سائباں میں ہیں چیل

منزلِ خورد و نوش کا غم کیا
سگ و روباہ کارواں میں ہیں چیل

زرد جو ہر پہ مردنی کیوں ہے؟
کس لیے گنج شائگاں میں ہیں چیل

مچھلیاں کر رہی ہیں سیرِ فلک
جاگزیں بحرِ بیکراں میں ہیں چیل

کیسی اُفتادِ جاں کنی ہے آج !
زاغ کے ساتھ آشیاں میں ہیں چیل

کوئی طوطی، کبوتری ہو، بات الگ
للعجب! دارِ موماں میں ہیں چیل

دیکھیے کس قدر مہذّب ہیں
خوب آراستہ مکاں میں ہیں چیل

غیبتوں کی غذا انھیں مرغوب
قلب کے خانۂ نہاں میں ہیں چیل

دامِ تزویر اگر فضا میں نہیں
پھر تو گہوارۂ اماں میں ہیں چیل

مار و کژدم ہیں شاملِ احباب!
کیا قباحت ہے دودماں میں ہیں چیل

بلبلوں اور کوئلوں کی بجائے
شاخ در شاخ گلستاں میں ہیں چیل

حادثہ رونما ہوا ہوگا!
برگ کی طرح آسماں میں ہیں چیل

اس سے کیوں ہو توقّعِ طاؤس
راہیا جس کی داستاں میں ہیں چیل



خونِ دِل رُخ پر ملو، سرخ رو ہو جاؤ گے
مہرِ تاباں کی طرح، چار سو ہو جاؤ گے

عینیت سے جب کبھی دو بدو ہو جاؤ گے
مضمحل سے نیم جاں، شاخِ مو ہو جاؤ گے

آج ہی فعّالیت کا نتیجہ دیکھ لو!
کل سراپا بے بصر گفتگو ہو جاؤ گے

اپنے آبا کا نسب نامہ رکھ لو جیب میں
ورنہ پھر بے آستیں کا لہو ہو جاؤ گے

پردۂ تاریک دل سے اٹھاؤ تو سہی
مرأتِ انوار کے روبرو ہو جاؤ گے

برف کا تودہ بنو گے تو پیاسے کیا کریں
جسم میں حدّت رکھو، آبجو ہو جاؤ گے

اشکِ خوں میں قلبِ نادم کو دھو لو مقتدی
جسم دھونے سے کہاں باوضو ہو جاؤ گے

اپنے ہی حلقوم میں رہنے دو خوئے وفا
مثلِ سگ عف عف کرو، کو بہ کو ہو جاؤ گے

جامۂ احساں کے بخیے ادھیڑو شوق سے
ورنہ خود ہی قیدِ دامِ رفو ہو جاؤ گے

رنگ و روغن کی سخاوت کرو گے راھبا
آب کی مانند بے رنگ و بُو ہو جاؤ گے



بہت مقروض صاحب ہو گئے ہو
سخنی تو کے نائب ہو گئے ہو

جہانِ فکر سے گھبرا گئے کیوں
مزاروں پہ مراقب ہو گئے ہو

کڑی محنت سے جی اپنا چرا کر
بلندی کے محاسب ہو گئے ہو

فقیری کا لبادہ تو اُتارو
امیروں کے مصاحب ہو گئے ہو

ہر اک ماحول، موسم راس آیا
زمانے کے مناسب ہو گئے ہو

سحر حسبِ ضرورت ہو گئی ہے
کہ خود ہی صبحِ کاذب ہو گئے ہو

اس اعلیٰ منصبِ فکر و نظر پر
میاں! تم کب سے غاصب ہو گئے ہو

نقوشِ پا ہیں باقی ارضِ دل پر
بظاہر ہم سے غائب ہو گئے ہو

محاسن سے نسب نامہ ملا کیا؟
مَلک کے ہم مراتب ہو گئے ہو

سخن فہمی میں ناپختہ ہو ابھی
سخن سنجی میں غالب ہو گئے ہو



بوئے گُل، رنگِ معتبر تنبیہ
ورنہ بارود پر شرر تنبیہ

ہاتھ بندوق ہی پہ رہنے دو
تاکہ ہوجائے با اثر تنبیہ

عرش تا فرش جلوۂ صد رنگ
دیدہ ور ہو تو ہر نظر تنبیہ

خشک و تر میں فساد برپا ہے
خلقِ بد پر ہے مختصر تنبیہ

خود ہی شاہد ہے اس کا ردِّ عمل
آپ نے کی تھی بے ضرر تنبیہ

ہے اسدؔ آپ کا مصاحب کیوں
یہ بھی ہے کوئی ابنِ شر تنبیہ

منزلوں پر عذاب اترا ہے
راہ کے سوختہ شجر تنبیہ

خیر! ہم معترض نہیں ہوں گے
ہے عدو کے لیے اگر تنبیہ

جس کا دامن ہے داغ سے عاری
کیجیے اُس کو بے خطر تنبیہ

آل و اولاد اِبتلائے جہاں
عقل کے حق میں سیم و زر تنبیہ

حسبِ توفیق خرچ کر راہی
جیبِ غم سے نکال کر تنبیہ



ہر ایک بات پہ اپنی مثال دیتا ہے
وہ عمدگی سے مصائب کو ٹال دیتا ہے

وہ خوش خصال، سُنا ہے کہ شر پسندوں کو
حدودِ خانۂ دل سے نکال دیتا ہے

جہاں ہے شانِ بصیرت، وہیں ہے بے صبری
سخی کو دیکھیے کیا حسبِ حال دیتا ہے

سکون و صبر کو کرتا ہے مشتعل خود ہی
خیالِ خطرۂ اہل و عیال دیتا ہے

گلے میں علم کے، لُکنت کا طوق پہنا کر
وہ کون جہل کو حسنِ مقال دیتا ہے

ہزار طرح سوالوں میں اُس کو اُلجھاؤ
مگر جواب وہ بے قیل وقال دیتا ہے

عجیب شخص ہے وہ، اپنی اس فقیری میں
غنی کو دولتِ فکرِ مآل دیتا ہے

وہ حق شناس تقدّس مآب دُنیا کو
معانقے کا شرف قال قال دیتا ہے

کبھی بطورِ سزا کاٹتا ہے دستِ طلب
کبھی کبھی وہ مگر بے سوال دیتا ہے

مقابلہ ہوا اساتینِ وقت سے راہی
اٹھا کے خاکِ قلندر اچھال دیتا ہے



آگ کی کھلی چھت کو سائباں کی حاجت کیا؟
آپ ہیں منڈیروں پر آشیاں کی حاجت کیا؟

احتساب بے معنی، اعتراض لا یعنی!
آپ تو فرشتے ہیں، امتحاں کی حاجت کیا؟

ثقلِ ارض کے جلوے، ہر نگاہ عریاں ہوں
پھر تو اے زمیں زادو، آسماں کی حاجت کیا؟

بحرِ شب گزیدہ پر، جس کی حکمرانی ہو
اس سفینۂ شر کو، بادباں کی حاجت کیا؟

جن کی خانقاہوں میں ظلمتیں مراقب ہوں
اُن کے آستانوں پر، ضوفشاں کی حاجت کیا؟

سب وجود اس کے ہیں، ہے عدم بھی قبضہ میں
لاَ نعم، سے کیا نسبت، لامکاں کی حاجت کیا؟

تیرے دامنِ دل پر، صد ہزار انجم ہیں!
شامِ کہکشانی کو شمع داں کی حاجت کیا؟

عزم پا بریدہ ہے، ذوقِ راہ مردہ ہے
کس لیے جرسِ راہی، کارواں کی حاجت کیا؟



یہ خلل نہیں ہے دماغ کا ؟
قضیہ حضور کے باغ کا ؟

اسے احتیاجِ قمر نہیں
دل منتظر ہے چراغ کا '

نہ یہاں لبھائے گا مور ناچ
وطنِ عزیز ہے زاغ کا '

ہے ازل سے یوں ہی رکھا ہوا
سرِ طاق لمحہ فراغ کا

میں ہوں خاکِ مشربِ اہلِ دل
میں نہ آبِ چشمِ ایاغ کا

ہوا ادا ضمیر کا حق کبھی !
ہمہ وقت حکم دماغ کا؟

یہ نہ فردِ جرم ہے منصفو!
شجرہ ہے قلب کے داغ کا

گل و برگ نقش ابھاریئے
یہ درختِ سنگ ہے راغ کا

ذرا حظ اٹھائیے راہیا
کبھی آپ اپنے سراغ کا



متاع و مال ہوس حبِّ آل سامنے ہے
شکار خود کو بچا دیکھ جال سامنے ہے

خیالِ کہنہ مقیّد ہے تیری سوچوں میں
رہائی دے کہ سزا، یرغمال سامنے ہے

مجھے ملال ہے اپنی فلک نشینی پہ!
یہی عروج کی حد، پھر زوال سامنے ہے

رگوں میں خون کے بدلے مچل رہی ہے آگ
زباں بدن کا، نہ جاں کا وبال سامنے ہے

68

یہی ہے کعبۂ مقصود، اسی سے جلوۂ عرش
اٹھا لے چاہ سے، قوتِ حلال سامنے ہے

وہ با کمال سیاق و سباق پر حاوی
گزشتہ اس کی نظر میں مآل سامنے ہے

سزا کی ہمتِ عالی بھی ہو گئی پسپا!
ہزار ہا عرقِ انفعال سامنے ہے

خلوص سکۂ افتادہ جیبِ ہستی کا
اٹھا کے ڈال دے، دستِ سوال سامنے ہے

ہمارے صبر کی حد ہم پہ آشکار ہو
صبّیا! سببِ اشتعال سامنے ہے

مجھے عزیز ہے صحرائے ممکنات کی سیر
یہ اور بات کہ باغِ محال سامنے ہے

نظر بخیر ہو ذرا بھی کہ بوئے گل کی طرح
چھپا ہے وہ، مگر اس کا جمال سامنے ہے



(نذرِ جناب علیم صبا نویدی)

میں با نام و نسب وہ بے نسب تھا
یہی ما بین رشتے کا سبب تھا

اُجالوں نے جسے باہر کیا ہے
یقیناً وہ کوئی مہمانِ شب تھا

وہی شاہد بنا اپنی خطا کا
ازل ہی سے جو نغمہ زیرِ لب تھا

کہاں ہر ہر قدم اس کو بچاتا
مرا سایہ مرے قبضے میں کب تھا

جہاد و زجر کی باتیں ہیں تب کی
اکیلا ہی میں اپنے گھر میں جب تھا

سلگتے قہقہے، رقصِ جنون کل
ہمارے شہر میں رقصِ طرب تھا

صدا دی ہے ابابیلوں کو ہم نے
ہمارے رو برو خاموش رب تھا

کرشمہ تھا، کرامت تھی، سروں میں
تعقّل کے سوا اعجاز سب تھا

کبوتر چگ رہے تھے آتشیں تخم
ہوس رانی کا یہ منظر عجب تھا

خدا کا قہر اس مٹی پہ کیوں ہے
جہاں کا ذرہ ذرّہ منتخب تھا

کسی حاسد نے بے پر کی اڑائی
دیارِ شوق میں حسنِ طلب تھا

ہوئے حیران رکھی صبر و برداشت
وہ دانشور بھی مغلوب الغضب تھا



ہوا اک لخت ذلّت کا نسب اعلیٰ
کہ ہم آغوشِ دریا ہو گئی نالی





کافی نہیں اک دو نفس ہَل مِن مزید
سچ پوچھتا ہے بوالہوس ہَل مِن مزید

مرحوم خواہش کے مکلّف ڈھونڈیئے
زاغ و زغن، مور و مگس ہَل مِن مزید

وہ ہے بہادر، رستمِ دوراں خطاب
اس کے محافظ صرف دس ہَل مِن مزید

کُل ظاہر و باطن اسی کے نقشِ پا
ہر سمت اس کی دسترس ہَل مِن مزید

انسانیت مسموم تر ہے کیا کہیں!
ہوتا ہے شر بھی پیش و پس ہَل مِن مزید

پوری طرح غرقِ حسد ہو جائیے
کب تک چلے گا مسح و مسّ ہَل مِن مزید

عزمِ سکندر را اُٹھا کیا چیز ہے!
موجِ نفس، صوتِ جرس ہَل مِن مزید



مطالعہ کی ہوس ہے کتاب دے جاؤ
ہمارے عہد کو صالح نصاب دے جاؤ

شہیرِ علم کی جھولی کمال سے خالی
خدا کے واسطے کوئی خطاب دے جاؤ

کبھی تو حرمتِ سیرابیٔ نظر کھل جائے
سمندروں کو طلسمِ سراب دے جاؤ

یں حقیقت کو تماشا نہیں بناؤں گا
منافقت کی ہوا ہے، نقاب دے جاؤ

تمہاری آخری امید بن کے لوٹوں گا
وداع کی گھڑیوں کا حساب دے جاؤ

قدیم روشنیوں سے انھیں شکایت ہے
تو نیّروں کو نیا آفتاب دے جاؤ

کوئی تو مشغلۂ نامراد جاری ہو
زباں کو بدرقۂ انقلاب دے جاؤ

اسی میں خندہ لبی! شانِ بے نیازی ہے
ہر اک نیر کا ساکت جواب دے جاؤ

سفر نصیب ہے راہی مثالِ بادِ رواں
جہاتِ شش کی زمام و رکاب دے جاؤ



احساس ذمہ داری بیدار ہو رہا ہے
ہر شخص اپنے قد کا مینار ہو رہا ہے

آوازِ حق کہیں اب روپوش ہو نہ جائے
حرفِ غلط برہنہ تلوار ہو رہا ہے

کس نقش کی جِلا ہے انفاس کہکشاں میں
وہ کون سایہ سایۂ دیوار ہو رہا ہے

منّت گہِ سیاہی، اعلانِ خیر خواہی
کم ظرف ولولوں کا اظہار ہو رہا ہے

حیرت زدہ ہے راہی دریا سے احتجاجاً
معصوم قطرہ قطرہ غدّار ہو رہا ہے

نذرِ ابنِ آدم

سگ، اسپ تازی، شیرِ نر، اس کی طرح شرکش نہیں
راہِ نفس کے ہم سفر، اس کی طرح سرکش نہیں

معصومیت کا مظہر حق الیقیں اس کی صفت
سرِّ سیہ، نارِ ضرر، اس کی طرح سرکش نہیں

ساری خدائی اس کا گھر، اس کے مسخّر بحر و بر
نجم السحر، شمس و قمر، اس کی طرح سرکش نہیں

خاکی نسب، آتش لقب، اس سے خجل ہے شیطنت
دُنیا کا کوئی بدگہر، اس کی طرح سرکش نہیں

اس کے شکنجے ہیں وفا، اس کی قسم کھائے جفا
قول و قرارِ معتبر، اس کی طرح سرکش نہیں

احساس اس کا کور وکر، معذور ہے اس کی نظر
تیر و کماں، تیغ و تبر، اس کی طرح سرکش نہیں

وہ ہے بشر، ابنِ حجر، اس کی طبیعت میں شرر
جنّ و ملائک، خیر و شر اس کی طرح سرکش نہیں

اس کی انا سازِ غنا، وہ واقفِ سرِّ فنا
راہی ترا کامل ہنر، اس کی طرح سرکش نہیں



مار و کژدم، سگ و بوزینہ و خر اُس کے خلاف
ہیں سبھی صاحبِ فن، اہلِ ہنر اُس کے خلاف

تیز تر ہو گئی تشہیر کی رفتار، اخی!
روز اخبار میں چھپتی ہے خبر اُس کے خلاف

یہ مسلّم ہے، وہی اصل شجر، تخمِ نسب
پھر بھی کیوں ہو گئے گل، برگ، ثمر اُس کے خلاف

خیر سے جذبۂ صادق ہے سراپا اُس کا
دیکھیے بوالعجبی! دشمنِ شر، اُس کے خلاف

قابلیت کو بچا مصلحتاً کل کے لیے
کوئی ہنگامہ بپا آج نہ کر، اُس کے خلاف

سنگ زادوں میں نہیں اُس کا مخالف کوئی
ہیں مگر ابنِ قمر، بنتِ گہر، اُس کے خلاف

اک غضنفر کی سیادت ہی پہ موقوف نہیں
دشتِ منصب کا ہر اک مادہ و نر اُس کے خلاف

اُس نے ظلمت کے محاذات میں کھولا تھا محاذ
دفعتاً جاگ اٹھے برق و شرر اُس کے خلاف

تھا وہ پروردۂ شب' اس کا محافظ تھا ظلام
پُرخطر صبح، پُرآشوب سحر، اُس کے خلاف

دوستی اس نے جو کی اپنی انا سے راہی
ہوگئے عقل و خرد، فکر و نظر، اُس کے خلاف



زمیں ہے کیا فلک کا دز معاذ اللہ
سماوی آفتیں گھر گھر، معاذ اللہ

فرشتوں کی جماعت ہو گئی کیوں
فریب و شیطنت خو گر، معاذ اللہ

خلا اندر خلا ظلماتِ نفسانی
مدارِ جذبۂ خاور، معاذ اللہ

نسب پر ہم نشینوں میں ہے اتراتا
شجاعت جنگ کا خچر، معاذ اللہ

مقابل میں فلک زادوں کے قائم ہے
زمیں بوسوں کا کرّ و فر، معاذ اللہ

لہو بن کر رگ و ریشہ میں حکمت کے
رواں کیوں ہے؟ فساد و شر، معاذ اللہ

یزیدِ صبح یزیدِ غالب ہے، اِخوانی!
طلسمِ خوبیٔ شبّر، معاذ اللہ

بظاہر سادگی کا نقشِ لاثانی
بہ باطن خونچکاں منظر، معاذ اللہ

کلیسا بن گیا ہے حاجبِ صحرا
خجل ہیں مسجد و منبر، معاذ اللہ

تقاضا وقت کا، داروغۂ دوزخ
بنا ہے خلد کا مظہر، معاذ اللہ

جنوبی کی کھلی جب سے زباں راکھی
شمالی ہو گئے مضطر، معاذ اللہ



یہ سچ ہے، اُس کے سہارے سے بدگماں ہوں میں
ستونِ خستہ وہ ہے، پختہ سائباں ہوں میں

ازل، ابد کا تسلسل ہے میری سانسوں میں
دلیلِ کم نظری وجہِ کُن فکاں ہوں میں

قیاس و عقل کی شمعیں جلا رہا ہے وہ!
بصورتِ متوحّش دھواں دھواں ہوں میں

بزعمِ خویش مجھے پا گئی مری شہرت
سوال بن کے جوابوں کے درمیاں ہوں میں

ہوس پناہ نگاہوں میں قطرۂ جامد
قرارِ حق میں مگر بحرِ بیکراں ہوں میں

زبانِ حال سے سب کچھ بتا دیا اُس نے
زبانِ قال کے باوصف بے زباں ہوں میں

بدن میں نُور سفر کر رہا ہے باتکریم!
نفس نفس مرا جادہ ہے! لامکاں ہوں میں

ہجومِ کور و کرِ آگہی ہے پیشِ نظر
ثقاتِ طبقۂ بے حس کا حکمراں ہوں میں

ورق ورق میری روشن لکیر ہے راہی
مثالِ بوئے صداقت رواں دواں ہوں میں



معنی کو چھوڑ دیجیے مفہوم دیکھیے!
جو ہے جبینِ لفظ پہ مرقوم دیکھیے

کس جذبۂ خفی کی عبادت ہے اصل میں
ہے کون بیشِ خصلتِ معصوم دیکھیے

للکارتے ہیں آپ جسے جنگ کے لیے
افسوس ہو چکا ہے وہ مرحوم دیکھیے

ایقان کی گرفت ہے یا بیتِ عنکبوت
مضبوط تر ہے رشتۂ مقسوم دیکھیے

شرّ و فتن کی آگ میں جھلسا ہوا دماغ
ہے آدمی کے نام سے موسوم دیکھیے

دو چار ساعتیں ہی ملی ہیں وجود کو
کتنا طویل وقفۂ معدوم دیکھیے

اُترا نہیں ہے منظرِ طاؤس ذہن سے
زاغ و زغن کی سوچیے، یا بوم دیکھیے

جس شاخِ گُل کا زورِ نمو تھا فلک فلک
وہ خود ہے اپنی اصل سے محروم دیکھیے

ہے قدرِ مشترک کوئی دونوں کے درمیاں
شبیر و شکر ہیں ظالم و مظلوم دیکھیے

تاریخ کیا ہے؟ قصۂ عبرت نگاہ ہے
یونان و مصر جائیے، یا روم دیکھیے

انسانیت کی راہ پہ راؔحِی ہے گامزن
یہ بھی ہے فضلِ قادر و قیوّم دیکھیے



منتشر بوئے خاک کس کے لیے
دامنِ گل ہے چاک کس کے لیے

دِل سے دِل کو نہیں ہے رسم و راہ
ظاہرا یہ تپاک کس کے لیے

وہ نہ نکلے گا پردۂ جاں سے
پھر تو بے وجہ تاک کس کے لیے

رہن ہیں جب کہ آنکھ کان زبان
رہ گئی اونچی ناک کس کے لیے

کون راہِ سرور تکتا ہے
داغِ غم تابناک کس کے لیے

کس کی خاطر ہے عمر بھر کی سعی
اس قدر انہماک کس کے لیے

جان جاں آفریں کی مملوکہ
کیا تلف ہوگا' پاک کس کے لیے

آل و عترت کہ منصب و دولت
ہو رہے ہیں ہلاک کس کے لیے

یہ ردائے فلک برائے زمیں
ہے مُصلّائے پاک کس کے لیے

اپنی ڈفلی ہر اک بجاتا ہے
آپ سے اشتراک کس کے لیے

کاغذی شیر ہیں یہاں ڈراھی
تم جماتے ہو دھاک کس کے لیے



ویرانیٔ ارضِ طلب، ناگفتہ بہ
بے آب کیوں نام و نسب، ناگفتہ بہ

دشتِ تمنّا میں تلاشِ رنگ و بو
کیا رائیگاں ہے میرے رب، ناگفتہ بہ

پرواز جس کی ماورائے مہر و ماہ
اس کے تنزّل کا سبب، ناگفتہ بہ

جس نے کیا تھا ذکرِ امیدِ سحر
تھا کون وہ گستاخِ شب، ناگفتہ بہ

افلاک اس کے روبرو بالشت بھر
وہ نشّۂ وقتِ طرب، ناگفتہ بہ

سورج گھروں میں، صحن میں بارانِ خوں
موسم کے تیور ہیں عجیب، ناگفتہ بہ

دیوار و در میں ہے نزاعِ فوقیت
کیوں سائباں ہے بندلب، ناگفتہ بہ

شاہینِ فکر و وحشئی خود آگہی
صیدِ ہوس ہیں سب کے سب، ناگفتہ بہ

راہی ادب خوش بختئ روح و رواں
انجام کارِ بے ادب، ناگفتہ بہ



ہر اک فن میں یقیناً طاق ہے وہ
ازل ہی سے بڑا خلّاق ہے وہ

جسے تم نے کہا تھا سمِّ قاتل!
عزیزم! اصل میں تریاق ہے وہ

اسے سنگِ تنفّر سے نہ رگڑو
سلگ اٹھے گا دل چقماق ہے وہ

غروبِ صدق کا خدشہ ہے باطل
کہاں منّت کشِ اشراق ہے وہ

جری ابنِ شرافت نیک لڑکا
قبیلے بھر میں لیکن عاق ہے وہ

بباطن آئینہ ہے قلب اُس کا
بظاہر سرورِ فُسّاق ہے وہ

کہاں سے احتسابِ نفس ہو گا
حسابِ دوستاں بے باق ہے وہ

مقفّل گھر کھلا ہے اک دریچہ
کسی کی دید کا مشتاق ہے وہ

جہاں رکھی ہے شمعِ بے ثباتی
مری دیوارِ جاں کا طاق ہے وہ

عزائم جس سے پسپا ہوں سفر میں
امیرؔ اس کو کہیں، قزّاق ہے وہ

ہوس کبھی کیا کوئی خستہ ستوں ہے
درختِ نارسا کی ساق ہے وہ

بنایا اُس نے سب کو جُفت راہی
مگر ہر زاویہ سے طاق ہے وہ



وسعتِ ادراک کی باخبری دیکھیے
بحر کو سمجھا ہے بَرّ دیدہ وری دیکھیے

دل ہے عقیدت کا گھر جس کا نہیں کوئی در
مرشدِ انبوہ کی در بدری دیکھیے

اسلحہ بردار ہیں، اس کے مصاحب تمام
پھر بھی پریشان ہے ایک جری دیکھیے

کوہِ معاصی بھی ہے، کاہِ تپیدہ سے کم
بخششِ مطلق کی یہ درگزری دیکھیے

ناظر و منظور آپ، سامع و مسموع آپ
ہے یہ عظیم انجمن، اک نفری دیکھیے

اس نے مہ و مہر کو نانِ جویں کہہ دیا!
شدّتِ احساس کی خوش نظری دیکھیے

زینتِ خاکی قبا، صبر و سکون و وفا
سبزِ فلک میں ہوئی جامہ دری دیکھیے

اس نے ببانگِ دہل خود کو کہا مسند
جہل پہ قائم شدہ معتبری دیکھیے

نعرۂ لاتقنطوا سُن کے ہوئی دفعتاً
بانجھ تمنّا کی بھی گود ہری دیکھیے

سامنے حق ہے مگر وہ تو حق اپنا نہیں
غیر کے اموال سے ہم ہیں بری دیکھیے

جرأتِ طفلانہ کی بے ادبی کیوں نہ ہو
بدگہری چھوڑیئے، بے جگری دیکھیے

شیرِ فرشتہ شعار ہوگیا بعد از شکار
فطرتِ خونخوار کی بے ضرری دیکھیے

آپ ہیں بازعمِ خویش، تاجِ سرِ رہبراں
راہیٔ گم کردہ رہ! خود نگری دیکھیے!



نشانِ اہلِ کہف کہیں اُس کو
بندگی کا شرف کہیں اُس کو

تیغِ زنگی ہے زینتِ دیوار
یادگارِ سلف کہیں اُس کو

جس کی آواز پر ہو دل رقصاں
کیا فقیروں کا دف کہیں اُس کو

اصل سے منحرف ہے جس کا لہو
ولدِ ناخلف کہیں اُس کو

جس کا سینہ گہر سے خالی ہو
کس بنا پر صدف کہیں اُس کو

شیشۂ دل میں ضو نہیں باقی
پھر تو بے شک خزف کہیں اُس کو

پشت پر تبصرہ جو ہوتا ہے
کیوں نہ کنّے کی عف کہیں اس کو

رونقِ زر پہ اُس جان دیدی
تیرگی کا ہدف کہیں اُس کو

قد بڑھا ، قدر گھٹ گئی جس کی
شخصیت کا تلف کہیں اُس کو

لالہ زارِ شفق ہو عکس، جہاں
سرزمینِ نجف کہیں اُس کو

جس کے شایانِ شاں ہے چھتی
جلوۂ ہر طرف کہیں اُس کو

فوجِ ہمدوش جب نہ ہو اک دل
کیا ضروری ہے صف کہیں اس کو

جس اضافہ سے جسم نا دم ہو
ناگزیرِ حذف کہیں اُس کو

قید ہے جو سفر کے قبضہ میں!
راہیِ جاں بکف کہیں اُس کو



خلافِ آب وہوا سے ہے، رنگ و بو سے نفاق
غلط ہے سخت غلط، اپنے ہی لہو سے تفاق

ملا کے زہر کہاں تم نے انتقام لیا
بوقتِ تشنہ لبی آبِ جو سے نفاق

گُل و ثمر کی تمنّا ہے جن درختوں کو
انھیں ورق بورق قوّتِ نمو سے نفاق

خلوصِ دل میں ہے اک آنچ کی کسر باقی
ٹپک رہا ہے ابھی اس کی گفتگو سے نفاق

نہ سوچو، چاک گریباں ہے یہ کہ چاکِ دِل
رفوگرو! نہ رکھو پیشۂ رفو سے نفاق

عجیب طبع کے حامل ہیں عابدانِ جدید
نماز سے ہے محبّت، مگر وضو سے نفاق

زوال آمدہ ہو جائے گا یہ بختِ بلند
نہیں مفید، قریبِ رگِ گلو سے نفاق

وہ شہر جس کے در و بام کو ہو باہم خوف
امڈ آئے نہ کیوں اس کے کو بہ کو سے نفاق

جناب! آپ سے شیطانِ گر ملا ہو گا
یہ کیسی بات کہ صوفی کو ہا و ہو سے نفاق

رسول ایک، خدا ایک ہے، کتاب بھی ایک
تو کس بنا پہ روا ہو گا قبلہ رو سے نفاق

پھر اس کے بعد ہے امکانِ دوستی راٹھی
نہ ساتھ دے گی عداوت، رکھو عدو سے نفاق



(مخلص دوست سلام کڈپوی کے لیے)

بے در و دیوار دِل کو درد کا گھر کہہ دیا
کس لیے بے منظری کو میں نے منظر کہہ دیا

صد سوالِ کج رکھے تھے ہم نے اُس کے روبرو
بے تکلّف ہر جواب اُس نے تو فرفر کہہ دیا

میں کہاں اپنے برادر ہی کا کھاؤں مردہ گوشت
کیا بُرا ہے عیب اُس کا، اُس کے منہ پہ کہہ دیا

جب کبھی دیکھا فلک نے اک نیا کرب و بلا!
استعارہ ہے فقط حق کا بہتّر کہہ دیا

ورنہ جوشِ نقد میں اس کی زباں تھی بے لگام
وہ ہُوا چپ، میں نے جب اس کو سخنور کہہ دیا

ابنِ آدم سے نسب نامہ ملا یا شان سے
اُس پرندے کو کسی نے "ابنِ شبیرؔ" کہہ دیا

شرم کے مارے گرا گھٹنوں کے بل وہ دفعتاً
ایک بونے نے اُسے اپنے برابر کہہ دیا

صبر کا بس ایک ہی سکّہ تھا اُس کی جیب میں
وقت نے اس کو نہ جانے کیوں تونگر کہہ دیا

درحقیقت فرق کیا اس سے پڑے گا راھیاؔ
سنگِ خارہ کو کسی نے سنگِ مرمر کہہ دیا



(حضرت امام حسینؓ کی بارگاہِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت)

بہت عزیز و مقدس غموں کا موسم ہے
شرابِ درد نہیں ہے، یہ آبِ زم زم ہے

درست و عینِ حقیقت ہے مصرعۂ مضطر
"غمِ حسینؓ زیادہ ہے، زندگی کم ہے"

ازل سے نغمہ سرا ہے زمینِ کرب و بلا
شہید اپنا یقیناً شہیدِ اعظم ہے

یہ سیلِ اشک، یہ خونِ جگر، یہ چاکِ قمیص
دلوں سے عشق چرا لے کس میں دم خم ہے

جلیں نہ حرف و نوا سے عقیدتوں کے چراغ
وہ منقبت تو حقیقت میں مدح بالذم ہے

نہ ہوگی ختم کبھی داستاں بہتّر کی
یہ کربلا ہے کہاں! استعارۂ غم ہے

جہانِ فکر و معانی کی وسعتیں دیکھو!
غمِ حسینؓ، اشارہ اگرچہ مبہم ہے

یہ "العطش" کی صدائیں، یہ موجِ رودِ فرات
مقدّرات کا عالم عجیب عالم ہے

جو سر جھکا ہے نہ باطل کے سامنے راھی
بصد خشوع وہی حق کے روبرو خم ہے



جو کچھ سنا ہے ضبطِ صحائف نہ کر ندیم
گم گشتہ حادثات کو خائف نہ کر ندیم

اپنے مطالبات ضروری ہوں یا نہ ہوں
حاصل انھیں برنگِ تحائف نہ کر ندیم

احوالِ دل کھلے گا کہاں کم سواد پر
اِفشا عبث رموزِ لطائف نہ کر ندیم

بندِ حجاب ہی میں رہے مہ لقائے خیر
نامحرموں سے ذکرِ کوائف نہ کر ندیم

اس کی عطا کو حاجتِ دریوزہ گر نہیں
بہرِ خدا طویل وظائف نہ کر ندیم

پیغمبرِ سخن ہوں، مری بات سُن ذرا
بے وجہ تازہ قصۂ طائف نہ کر ندیم

آ، منتظر ہے دیر سے منکوحۂ صلوٰۃ
شب کی متاعِ نذرِ طوائف نہ کر ندیم

ہر طائفہ کی سمت و صدا میں تضاد ہے
پھر اہتمامِ جشنِ طوائف نہ کر ندیم

راؔھی وظیفہ خوارِ مضامینِ نو بہ نو
جاری فضول نقدِ وظائف نہ کر ندیم



خیر سے، جب صاحبِ اولاد شہر ہو جائے گا
عرش وسعت خانۂ دل مختصر ہو جائے گا

محو ہے سر سبزیوں سے استفادہ میں ہوا
برگِ ناموسِ نمو ننگِ شجر ہو جائے گا

وہ بھی خواہِ ازل، اپنی امانت چھوڑ کر
کیا یہ ممکن ہے کہ سب سے بے خبر ہو جائے گا

تاج و خلعت دیں نہ دیں، پیراہنِ یوسفؑ تو دیں
کچھ تو سامانِ علاجِ بے بصر ہو جائے گا

جس کو آنکھوں سے لگا رکھا تھا ہم نے عمر بھر
کیا خبر تھی وہ گہر بھی بدگہر ہو جائے گا

ہوشیار اے بندۂ بے دام و درہم ہوشیار
ایک در کیا تجھ سے چھوٹا دربدر ہو جائے گا

کیا ضروری ہے کہ آنکھیں موند لیں پھر سے سبھی
کامیاب اب تجربہ بارِ دگر ہو جائے گا

لفظ سے ہٹ کر حقیقت بھی تو کوئی چیز ہے
آپ کے کہنے سے کیا تازی بھی خر ہو جائے گا

طائرِ اوجِ تخیّل اپنی حد ہی میں رہے!
آسمانی قہر سے بے بال و پر ہو جائے گا

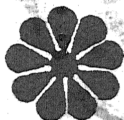
اک ذرا اس کا حوالہ، حاشیہ پر ہی سہی
پھر تو حرفِ بے نوا بھی معتبر ہو جائے گا

راہ پانے کے لیے راہی سلیقہ چاہیے
راہ کا ہر ایک پتھر راہبر ہو جائے گا

ڈاکٹر راہی فدائی کی دوسری تصانیف



تصنیف	شعری مجموعہ	1981
انامل	,, ,,	1987
ترقیم	,, ,,	1990
مصداق		1993
باقیات ایک جہاں	تحقیق	1980
تجزیہ	,,	1988
اکتسابِ نظر	,,	1991
مسلکِ باقیات	,,	1991
کڈپہ میں اردو	,,	1992
ویلور تاریخ کے آئینہ میں	,,	1996
مدرسۂ باقیات کے علمی ادبی کارنامے		1996
دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ		1997



Printed at
Tamil Nadu Urdu Publications
Madras 600 002